ے کوئی بھی غیر متوقع نہ تھا۔ اِس "مشاورت" کی رہنما کتاب کے دیباچے میں لکھا گیا تھا۔ "یہ کوئی ایسی کانفرنس نہیں جِس میں چرچ کی ماہیّت زیرِ بحث آئے، بلکہ یہ کانفرنس ہے جِس میں اِس امر پر غور کیا جائے گا کہ ہم کس طرح اپنے آقا کے چرچ سے دُنیا کو بھر سکتے ہیں تاکہ دُنیا اُس کی تعریف سے اِس طرح بھر جائے جیسے پانی سمندروں میں ہے۔" (ماہنامہ "کرسچنٹی ٹوڈے"، ۱۷ جولائی ۱۹۹۵ء)

ایشیا

پاکستان: جناب جان جوزف اور دوسروں پر مقدّمے کی صورتِ حال

[جناب جان جوزف، بشپ آف فیصل آباد پاکستان کی مسیحی انتخابی سیاست میں ماضی قریب میں مؤثر کردار ادا کرتے رہے ہیں۔ ۱۱ اگست کو اسلام آباد میں "کرسچن لبریشن فرنٹ" کی ریلی میں نمایاں ترین مقرّر تھے۔ تندو تلخ تقریر کے نتیجے میں دوسرے مقرّرین کے ساتھ اُن کے خلاف بھی انتظامیہ نے مقدّمہ دائر کیا۔ (دیکھیے: "عالمِ اسلام اور عیسائیت"، اگست ۱۹۹۵ء، ص ۲۵ - ۲۶، اکتوبر ۱۹۹۵ء، ص ۳ - ۵) اُن کا اندازِ نظر کیا ہے اور مقدمے کی کیفیّت کیا ہے؟ جناب جان جوزف کی زیرِ نظر تحریر سے اِن سوالوں کا جواب ملتا ہے۔ "دی کرسچن وائس" (کراچی) نے اِس تحریر پر The Church in Pakistan Speaks out [پاکستان میں چرچ اپنی بات کُھل کر کہتا ہے۔] کی سُرخی لگائی ہے، جب کہ پندرہ روزہ "کاتھولک نقیب" (لاہور) نے اِسے "۲۹۵-سی کو روکنا منع ہے؟" کے زیرِ عنوان درج کیا ہے۔ کتابت کی چند اغلاط درست کرتے ہوئے مؤخر الذکر معاصر کے شکریے کے ساتھ جناب جان جوزف کی تحریر ذیل میں نقل کی جاتی ہے۔ مدیر]

پاکستان کے مسیحی پچھلے ۴۸ برس سے مسلسل تفریق اور ناانصافیاں برداشت کرتے چلے آرہے ہیں۔ بابائے قوم کی بے وقت موت کے فوراً ہی بعد پاکستان کی سیاسی قوتوں نے بانی پاکستان اور ان کے رفقاء کار کے مقصد کو مسخ کرنا شروع کر دیا۔

۱۱ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان دستور ساز اسمبلی کا پہلا اجلاس کراچی میں منعقد ہوا، جس میں قائد اعظم محمد علی جناح نے صدارتی خطبہ دیا۔ اُنھوں نے فرمایا۔

> آپ آزاد ہیں، آپ عبادت کے لیے اپنے مندروں میں جانے میں آزاد ہیں، آپ مملکتِ پاکستان میں اپنے عقیدے کے مطابق اپنی عبادت گاہوں میں جانے میں آزاد ہیں۔ آپ خواہ کسی مذہب، فرقے یا عقیدے سے تعلق رکھتے ہوں، اُمور مملکت کو اِس

سے کوئی سروکار نہیں۔

ہم اس زمانے کا آغاز کر رہے ہیں، جس میں فرقوں کے درمیان کسی قسم کا امتیاز روا نہیں رکھا جائے گا۔ جب ایک فرقے کو دوسرے فرقے پر رنگ یا نسل کی وجہ سے ترجیح نہیں دی جائے گی۔ ہم اِس بنیادی اصول سے آغاز کر رہے ہیں کہ ہم سب ایک ہی مملکت کے شہری ہیں اور برابر کے شہری ہیں، پس ہمیں اس نصب العین کو ہر وقت سامنے رکھنا چاہیے اور آپ وقت کے ساتھ ساتھ دیکھیں گے کہ نہ ہندو، ہندو رہے گا اور نہ مسلمان، مسلمان۔ مذہب کے معنوں میں نہیں، کیونکہ یہ تو ذاتی عقیدے کا معاملہ ہے، بلکہ سیاست کے معنوں میں جب ہر شخص ملک کا شہری ہوتا ہے۔

اس مقصد کی پامالی فوجی آمر اور صدر پاکستان ضیاءالحق کے دور میں عروج پر پہنچی، جب پاکستان کے آئین کو پاکستان کی سب سے بڑی قانونی اتھارٹی، وفاقی شرعی عدالت کے قیام کے ساتھ اسلامی شریعت کے تابع کر دیا گیا۔

آج سے تقریباً دس سال قبل ایک خاص ملاقات میں پاپائے اعظم نے کاتھولک بشپز کانفرنس آف پاکستان کو قومی کمیشن برائے امن وانصاف قائم کرنے کے لیے کہا۔ پاپائے اعظم نے مسیح کے جانشین اور عالمی کلیسیاء کے روحانی پیشوا کے بطور پاکستان میں اِس کی ضرورت کو اپنی دور اندیشی سے بھانپ لیا تھا۔ بشپ صاحبان جب پاکستان واپس آئے تو انہوں نے کمیشن برائے امن وانصاف قائم کیا اور کمیشن نے فوری طور پر کام شروع کر دیا، لیکن اس کا اصل امتحان ۱۹۹۱ء میں شروع ہوا۔

۱۹۹۱ء میں شرعی عدالت نے پیرا گراف ۲۹۵ - سی کا اضافہ کیا۔ جس کے تحت گستاخی رسول ﷺ کے جرم کی سزا پھانسی لازمی قرار دی گئی، اس ترمیم نے مذہبی جنونیوں کو خون کا پیاسا بنا دیا۔ انہوں نے پاکستان بھر میں مسیحیوں پر گستاخی رسول ﷺ کے مرتکب ہونے کا الزام لگانا شروع کر دیا۔ جھوٹے الزامات کے تحت بہت سے مسیحیوں کو بندوقوں اور خنجروں سے قتل کر دیا گیا اور بہت سوں کو جیلوں میں ڈال دیا گیا ہے۔

۱۹۹۲ء میں حکومت نے اقلیتوں کے لیے علیحدہ قومی شناختی کارڈ متعارف کروا کر پاکستان میں تفریق ڈالنا چاہی تھی، لیکن پاکستان کے مسیحیوں نے یک آواز ہو کر کہا کہ ہم مر جائیں گے، لیکن اس کالے قانون کو قبول نہیں کریں گے جو ہمیں دوسرے درجہ کا شہری بنا دے گا۔ ہم نے دعا کی، مظاہرے کیے، ہم نے اِس کے متعلق بہت کچھ لکھا اور آخر کار تا دمِ مرگ بھوک ہڑتال کی اور یوں حکومت اِس قانون کو ختم کرنے پر مجبور ہو گئی۔ یہ مسیحیوں کی عظیم فتح تھی۔

۵ اپریل ۱۹۹۴ء کو چار مسیحیوں پر مسلم انتہا پسندوں نے حملہ کر دیا۔ اُن پر گستاخی رسول ﷺ ۲۹۵ - سی کا الزام لگایا گیا تھا، ایک موقع پر ہی شہید ہو گیا اور دوسروں کو گولیوں کے بہت سے زخم

آ ئے، اِن میں ایک ۱۲ سالہ لڑکا سلامت مسیح بھی شامل تھا۔ مسیحیوں نے فوری ردِ عمل دکھایا۔ نیک نیّت مسلمان بھائیوں کے ساتھ مل کر ہم نے سڑکوں پر مظاہرے کیے، سب سے پہلے لاہور اور پھر پاکستان کے تمام بڑے شہروں میں احتجاج کیا۔ ہم نے اتنا زبردست احتجاج کیا کہ اِس کی آواز تمام دنیا میں گونج اٹھی۔ اِس احتجاج اور بین الاقوامی دباؤ کی وجہ سے پاکستانی حکومت نے ہماری آواز پر دھیان دیا، جِس کا نتیجہ یہ نکلا کہ گل مسیح، سلامت مسیح اور رحمت مسیح کو نہ صرف موت کی سزا سے آزاد کر دیا گیا، بلکہ اُن کو محفوظ پناہ گاہ بھی مہیا کر دی گئی۔ زیادہ اہم یہ ہے کہ مذہبی بنیاد پرستوں نے ہمارا پیغام واضح اور باآواز بلند سن لیا، اور پورے پاکستان میں گستاخیِ رسول کی آڑ میں جھوٹے الزامات کی جو لہر آئی تھی، وہ رُک گئی۔ یہ ایک بڑی کامیابی تھی۔

اِن کامیابیوں سے حوصلہ پا کر اور روشن خیال مسلمانوں کی حمایت حاصل کر کے پاکستان کے مسیحیوں نے امتیازی قوانین اور ناانصافیوں مثلاً امورِ ریاست میں مذہبی تعصّب کی جڑوں پر کلہاڑا رکھنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اِس بڑے کام کے لیے ہمیں آپ کی حوصلہ افزائی اور دعاؤں کی ضرورت ہے، کیونکہ اگر ہم نے تھوڑے سے وقت میں اتنا کچھ حاصل کیا ہے۔ تو یہ قومی سطح پر اتحاد اور بین الاقوامی سطح پر یک جہتی کی وجہ سے ہے۔

ہم اِس سمت میں پہلا قدم اٹھا چکے ہیں جو اسلام آباد میں ایک قومی ریلی تھا، جِس میں ہم نے اپنے مطالبات کے لیے ایک بہت بڑا جلوس نکالا جِس کے آخر میں پارلیمنٹ ہاوس اور ایوان صدر کے سامنے تقاریر کیں، ہمارا مطالبہ بالکل واضح اور حق پر مبنی ہے۔ ہم پاکستان کو تمام امتیازی قوانین سے چھڑانا چاہتے ہیں اور اِس مقصد کو حاصل کرنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ پاکستان کو ویسی ہی ریاست بنایا جائے، جِس طرح قائدِ اعظم محمد علی جناح نے اسے بنایا تھا۔ ریلی کا انعقاد بالکل موزوں تاریخ یعنی ۱۱ اگست کو کیا گیا، جب بانیٔ پاکستان نے ۴۸ سال پہلے پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے کے موقع پر اعلان کیا "کہ ریاست کے معاملات میں مسلمان، مسلمان نہیں رہے گا اور نہ ہندو، ہندو رہے گا، لیکن تمام پاکستانی برابر کے شہری ہوں گے۔"

۱۷ اگست ۱۹۹۵ء کو تعزیرات پاکستان ۱۵۳ - اے (ریاست کے خلاف بولنا) اور ۱۶ ایم پی - او (اندیشہ نقص امن) کے تحت اسلام آباد پولیس نے مقدمہ درج کر کے اُن سب کے وارنٹ گرفتاری جاری کیے جنھوں نے اِس ریلی میں تقاریر کی تھیں۔ بشپ جان جوزف، سسل چوہدری، شہباز کلیمنٹ کے علاوہ چار دوسرے افراد کے بھی وارنٹ گرفتاری جاری کیے، اِن میں ایک لڑکی شکیلہ حاکم بھی شامل تھی۔

۱۷ ستمبر کو ہم سیشن جج اسلام آباد صباح محی الدین کی عدالت میں پیش ہوئے، جج نے سرکاری وکیل اور پولیس آفیسر سے جو عدالت میں اِس وقت حاضر تھے، مندرجہ ذیل سوالات پوچھے۔

• اگر ہندوستان میں مسلم اقلیت اپنے حقوق کے لیے مظاہرے کرتی ہے تو کیا آپ اسے بھی بغاوت کا نام دیں گے؟
• مسیحیوں نے گستاخیِ رسول کے قانون ۲۹۵ کی ترامیم بی اور سی کی منسوخی کا مطالبہ کیا ہے۔ حکومت بذاتِ خود اس میں تبدیلی کی خواہش مند ہے، صرف مولوی حضرات ان ترامیم کی منسوخی میں رکاوٹ ڈال رہے ہیں۔ یہ مطالبہ کس طرح بغاوت کے زمرے میں آتا ہے؟
• انہوں نے وزیر اعظم کے خلاف تقاریر کیں۔ نواز شریف اور دوسرے روزانہ ان سے زیادہ سخت زبان استعمال کر رہے ہیں۔ آپ ان کو کیوں نہیں پکڑتے؟
• کیا مسیحی اپنی اس ریلی میں اپنے ساتھ توپیں یا بندوقیں لے کر آئے تھے؟
• جج نے پولیس کو کہا کہ ۲۴ ستمبر ۱۹۹۵ء کو مجھے بتائیں کہ ان مسیحیوں نے کس طرح بغاوت کا ارتکاب کیا ہے؟

۲۴ ستمبر ۱۹۹۵ء کو بشپ جان جوزف کے ساتھ دوسرے بھی عدالت میں حاضر تھے۔ اسلام آباد پولیس بھی سیشن کورٹ میں موجود تھی، ٹھیک آٹھ بجے صبح سیشن جج عدالت میں داخل ہوئے اور ہم سب پر نگاہ ڈالتے ہوئے پولیس انسپکٹر سے پوچھا۔ کیا آپ ان تینوں مسیحیوں کو جو یہاں حاضر ہیں، گرفتار کرنا چاہتے ہیں؟

نہیں جناب، پولیس انسپکٹر نے جواب دیا۔ کیوں نہیں؟ جج نے انسپکٹر سے مزید پوچھا۔ کیونکہ یہ بے گناہ ہیں، پولیس انسپکٹر نے جواب دیا۔ کیا میں آپ کا جواب ریکارڈ بک میں محفوظ کر سکتا ہوں، جج نے پوچھا۔ جی ہاں جناب! پولیس انسپکٹر نے جواب دیا۔ یہاں پر عدالتی کارروائی کا اختتام ہو گیا، پھر تینوں (بشپ جان جوزف، سسل چوہدری، شہباز کلیمنٹ) پولیس اسٹیشن گئے، جہاں پر ہمیں سرکاری طور پر اپنے بیانات ریکارڈ کروانے تھے۔ سب سے پہلے سسل چوہدری (دو اعلیٰ اعزازات ائیر فورس میں جرات و بہادری کا مظاہرہ کرنے پر حاصل کرنے والے) کا بیان لکھا گیا، پھر شہباز کلیمنٹ بھٹی (صدر کرسچن لبریشن فرنٹ پاکستان) کا بیان اور آخر میں میرا (بشپ جان جوزف) بیان ریکارڈ کیا گیا۔ پولیس انسپکٹر نے بشپ جان جوزف سے مندرجہ ذیل سوالات کیے۔

انسپکٹر: بشپ آپ نے ۱۱ اگست کو اسلام آباد ریلی میں شرکت کیوں کی؟

بشپ جان جوزف: میں اس بات کا قائل ہوں کہ اس ریلی میں شرکت کرنا میرا فرض بنتا تھا، کیونکہ یہ پاکستان کے مختلف فرقوں کے درمیان اتحاد قائم کرنے کے لیے منعقد کی گئی تھی۔ ہمارے آقا یسوع مسیح نے فرمایا کہ میں اسی لیے آیا ہوں کہ تمام ایک ہو جائیں۔

پولیس انسپکٹر: بشپ آپ نے وہاں کیا کہا؟

بشپ جان جوزف: ہم سب کا فرض ہے کہ اتحاد کے لیے کام کریں، مثال کے طور پر تین سال پہلے ہم نے شناختی کارڈ میں مذہب کے خانے کے اضافے کے خلاف جدوجہد کی، کیونکہ مذہب کا خانہ پاکستان کو تقسیم در تقسیم کرنے کی سازش تھی۔

پولیس آفیسر: میں یہاں پر آپ سے اتفاق کرتا ہوں۔

اس مقدّمہ میں ملوّث دوسرے اشخاص مس شکیلہ حاکم، پروفیسر سلامت اختر، ایڈووکیٹ محمد حنیف ڈوگر کو بھی پولیس سٹیشن اسلام آباد اپنے بیانات ریکارڈ کروانے کے لیے جانا ہے۔

سیشن جج نے بڑے واضح الفاظ میں اپنے فیصلہ میں لکھا ہے کہ بعد کی تفتیش کے دوران بھی اس عدالت کی پیشگی اجازت کے بغیر انہیں گرفتار نہیں کیا جائے گا۔ ہمیں بعد میں کسی وقت گرفتار کیا جائے گا یا نہیں، ہم اپنے موقف پر مضبوطی سے قائم ہیں۔ ہم ایک متحد معاشرے کے لیے کام کر رہے ہیں، اس لیے ہم ہر اُس تحریک یا قانون کی مخالفت کریں گے جو پاکستان کے شہریوں کو مذہب یا نسل کی وجہ سے تقسیم کرے گا، یا کوئی مخصوص گروہ لوگوں کو تخریب کاری کے لیے استعمال کرے گا۔ ہم تمام امتیازی قوانین کی مخالفت کرتے ہیں، کیونکہ یہ معاشرے کو تقسیم کر دیتے ہیں۔ ہم اس وقت تک آرام سے نہیں بیٹھیں گے، جب تک گستاخی رسول کے قانون سے متعلقہ سزائے موت ختم نہیں ہو جاتی، اِس کے لیے اِس سے بڑے جواز کی کیا ضرورت ہو گی۔ حال ہی میں سینٹ میری سکول سکھر میں کیا واقعہ ہوا ہے؟ بنیاد پرستوں نے چودہ سالہ لڑکی کو جبری مسلمان کر لیا، کیونکہ اِس کے پاس پھانسی سے بچنے کے لیے صرف ایک ہی راستہ تھا۔ ہمیں سندھ سے خطوط موصول ہو رہے ہیں کہ جب تک گستاخی رسول ﷺ کے قانون سے موت کی سزا ختم نہیں ہو جاتی، ہم اور ہمارے بچے محفوظ نہیں ہیں۔ اب تو انتخاب واضح ہے۔ "مسلمان ہو جاؤ یا ۲۹۵- سی کے تحت پھانسی پر لٹک جاؤ۔"

ہم اپنی جدوجہد جاری رکھیں گے، ہم کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے، دیہاتوں میں بہت سے مسیحی اس قانون کی وجہ سے مصیبت میں مبتلا ہیں۔ دو ہفتہ پہلے چک نمبر ایل ۴ - ۱۰، اوکاڑہ میں ایک ۱۲ سالہ مسیحی لڑکے کو مارا پیٹا گیا۔ کیونکہ اس پر ۲۹۵ - سی کے خلاف خطا کرنے کا الزام لگایا گیا تھا، حالانکہ اِس کا دماغی توازن بالکل ٹھیک نہیں ہے۔

جلیانوالہ نزد گوجرہ میں ایک ۱۳ سالہ لڑکے کو اِس قانون کے تحت ملزم ٹھہرایا گیا اور گاؤں کے کچھ نوجوان اِس لڑکے کو قتل کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے وہ اپنے والدین سے دور کسی نامعلوم جگہ پر چھپا ہوا ہے۔ لڑکا اپنے والدین سے دور دن رات ملنے کے لیے بے قرار ہے اور والدین اُپنے بیٹے کی جدائی میں دن رات روتے رہتے ہیں۔

کیا ہمیں اِن کی مدد نہیں کرنی چاہیے؟

چند ماہ پہلے کی بات تھی کہ ایک بنیاد پرست گروپ ایک ۱۳ سالہ مسیحی لڑکے کو اٹھا کر اپنے گھر

لے گیا کہ وہ اسلام سے متاثر ہے او خود لڑکے کے باپ پر اغوا کا مقدمہ درج کروا دیا، کیونکہ باپ اپنے سگے بیٹے کو واپس گھر لے جانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ مذہبی جنونیوں کا نشانہ اب تیرہ یا چودہ سالہ مسیحی لڑکے اور لڑکیاں ہیں۔ اِس ناپاک تحریک کو روکنا ہم سب کا فرض ہے۔

پاپائے اعظم جان پال دوم نے چند سال پہلے امن کے پیغام میں کہا تھا، کہ جب ہمارے بھائی اور بہنیں درد سے کراہ رہے ہوں اور مصیبت میں گرفتار ہوں، تو ایک مسیحی کس طرح اپنے کان بند کر سکتا ہے۔